عہدِ عتیق ووسطیٰ کا فنِ تعمیر

از

(جناب یوسف کمال صاحب بخاری ایم۔اے)

(۲)

قرونِ وسطیٰ کا فنِ تعمیر | بارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی مسلم فرمانرواؤں نے مقامی علوم وفنون کی جو مربیانہ خدمات انجام دیں وہ اہلِ علم حضرات سے پوشیدہ ومخفی نہیں ہیں۔ چنانچہ اہلِ ہنود واہلِ اسلام کے ارتباط واختلاط سے ایک نئی طرز کی ابتدا ہوئی جسے ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پروفیسر جے بی، چودھری بنگال کے مشہور فاضل ورنامور عالم ہیں انھوں نے اپنے مقالہ "مسلمان بادشاہوں کی سنسکرت اور ہندی علوم وفنون کی سرپرستی" میں مسلم فرمانرواؤں کی ہندوستانی معاشرت کی ترویج واشاعت کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے اپنی قیمتی رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں "یہ بات توسب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ علوم وفنون کے بڑے سرپرست اور مربی تھے ہندو اور مسلمانوں کے کلچرل تعلقات معلوم کرنے کے وسائل وذرائع پر اب تک کوئی باقاعدہ توجہ نہیں کی گئی ہے اس بنا پر قرونِ وسطیٰ میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو تہذیبی اور ثقافتی یکسانیت پیدا ہوگئی تھی اس کا علم اب تک بہت کم حاصل ہو سکا ہے۔"

اس اقتباس کو پیش کرنے کا مقصد قارئین کرام کو یہ بتانا ہے کہ مسلم فرمانرواؤں نے دوسرے علوم وفنون کی سرپرستی کے دوش بدوش ہندی فن تعمیر کو بھی اپنایا اور اپنی فن دوستی کا ثبوت دیا۔ ایک دوسرے فاضل مبصر سید حسن برنی صاحب اپنی کتاب "دلی کی دو سو برس

کی تاریخ "میں رقمطراز ہیں" دلی کے مسلمان فاتحین اور ابتدائی حکمرانوں کو وحشی قرار دینا ایک خالص افسانوی نظریہ کا رتبہ رکھتا ہے۔ اسلامی تمدن صدیوں سے اپنا عروج پا چکا اور ان سب قوموں کو جو اس کی گود میں آچکی تھیں پورے طور پر شائستہ بنا چکا تھا۔ غوری سلاطین جو فاتح کی حیثیت رکھتے تھے علوم و فنون کے سرپرست تھے۔ چنانچہ مشہور عالم و حکیم امام رازی کا کچھ عرصہ تک غیاث الدین کے دربار میں قیام رہا (ابن الاثیر بذیل وقائع ۵۹۵ صفحہ) اور یہ بادشاہ مساجد و مدارس کی تعمیرات میں خاص دلچسپی لیتا تھا"، غرضیکہ مسلمان بادشاہوں نے صرف یہی نہیں کہ ہندی فن تعمیر کو اپنایا بلکہ اس کے جوڑ توڑ سے نئی نئی طرزیں قائم کیں جسے ہندی اسلامی فن تعمیر کہتے ہیں۔

سلاطین دہلی کا طرز تعمیر | یہ طرز ۱۲۰۶ء تا ۱۵۲۶ء قائم رہا۔ جس میں غلام، خلجی، تغلق، سید اور لودی عہد کے طرز اپنی کم و بیش جداگانہ خصوصیات کے ساتھ شامل ہیں مسلمانوں نے جب اپنی تعمیرات کی مہم شروع کی تو ممکن نہ تھا کہ وہ مقامی ہندو طرزوں سے بے خبر رہتے اور ان سے عدم توجہی کا اظہار کرتے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں بے شمار پرانی عمارات موجود تھیں جو وضع و قطع میں بے مثال و عدیم النظیر تھیں۔ ان میں سے بیشتر اب تک موجود ہیں اور دنیا والوں کے لئے باعث صد رشک ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلمان کب تک ان کی نقل ہی پر قائم رہتے اول تو خود ان میں اسلامی فنون کا بڑا نشو و نما ہو چکا تھا۔ انھوں نے ترکی، غزنی، عرب اور ایران کے راستے سے ہندوستان میں قدم رکھا اور اپنے ساتھ ایرانی و عربی مخلوط طرز تعمیر لائے جن سے وہ مانوس تھے پھر بعض ہندو خصوصیات تعمیر اسلامی طرز میں غیر موزوں و نامناسب تھیں۔ مثلاً ہندو مندر کا نقشہ جہاں پوجا پاٹ کا انفرادی طریقہ مروج ہے مسجد کے نقشے کے لئے کس طرح موزوں ہو سکتا تھا کیوں کہ مسلمانوں میں اجتماعی عبادت ضروری و ناگزیر تھی۔ اس لئے مسجد و مندر کی ساخت میں مشابہ پہلوؤں کے ساتھ ساتھ بہت سے مختلف پہلو بھی نظر آتے ہیں جس طرح انواع و اقسام کی آرائش،

وسطی صحن کے گرد دالانوں کی قطاریں وغیرہ مندر و مسجد کی مشترک خصوصیات ہیں اسی طرح دونوں کی ساخت میں فرق بھی نمایاں ہے ۔نہ تو ہندو نمونہائے آرائش ہی مسجدوں کے لئے مناسب و موزوں ہو سکتے تھے اور نہ جانداروں اور معبودوں کے بُت، مجسمے اور تصاویر ہی عام طور پر کام میں آسکتے تھے ۔ مثلاً مسجد وسیع، روشن، کھلی ہوئی ہوادار ہوتی ہے اس کے برعکس مندر تنگ، تاریک اور گھُٹے گھُٹے سے ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ۔اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ فن تعمیر پر بنانے والوں کے ماحول اور ان کی ضروریات و نظریات کا گہرا اثر پڑتا ہے ۔ اسلامی طرز محرابی اور ہندو سپاٹ وغیر محرابی قسم کا ہے ۔گنبدی شکل کی چھتیں محرابیں، مینار اور گنبد خالص اسلامی عناصر ہیں لیکن ہندو طرز کا انحصار مسطح سر دلوں، ستونوں اور محرفطی شہتیروں پر ہے ۔

لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قدیم اسلامی معماروں نے قدیم عمارات کے ملبے کو موقع و محل کے اعتبار سے استعمال کیا ۔ اجمیر اور دہلی کی قدیم ترین آثار میں یہ خصوصیت موجود ہے ۔ مساجد ہندو ستونوں پر تعمیر کی گئیں ان ستونوں پر منبت مورتیاں مٹادی گئیں ۔ان ستونوں کی ڈاٹیں ہندو طرز کی ہیں اصلی ڈاٹ جو چھلّے اور کنجی سے تیار ہوتی ہے وہ اب تک رائج نہ ہوئی تھی ۔مذکورہ مسجدوں کو اگر بدقت نظر دیکھا جائے تو ان کی اندرونی ساخت میں صاف کوہ آبو کے جینی مندروں کی چھتوں (سقف) کا نمونہ نظر آتا ہے ۔ علاوہ ازیں طاقوں کی تعمیر خالص اسلامی طرز کی ہے ان میں نوکدار محرابوں، کوفی و نسخی کتبوں، نقش و نگار، آرائش و زیبائش اور فن خطاطی کے لئے مہارتِ تامہ کی ضرورت تھی اور اس سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مسلمان خطاطوں نے ہی یہ کتبے کندہ کئے ہوں گے لیکن اسی کے دوش بدوش دروازوں کی تعمیر میں کنجی اور چھلّے کی ڈاٹ کے بجائے ان کو تہ پر تہ لگا کر بنایا گیا ہے ۔جس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان ابتدائی مسجدوں اور عمارتوں میں اسلامی و ہندو کاریگروں کا ہاتھ رہا ہے ۔

سلاطین مملوک (غلامان) از ۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء | اس دور کی خاص عمارات میں مسجد قوت الاسلام

قطب مینار، جامع التمش (یا اڑھائی دن کا جھونپڑا) اجمیر، مقبرۂ سلطان غازی اور مقبرۂ التمش ہیں۔ اولین عمارت جو ہندوستان میں تعمیر ہوئی وہ مسجد قوت الاسلام ہے جو قطب الدین ایبک بانی خاندان مملوک نے ۱۱۹۱ء میں تعمیر کرائی یہ مسجد فتح دہلی کی یاد میں تعمیر کی گئی۔ اس میں مقامی ہندو فنِ تعمیر کا رنگ ہی نہیں بلکہ غلبہ نظر آتا ہے۔ مغربی دیوار کی پانچ محرابوں کے سوا مسجد کی کل ساخت منجملہ دیواروں، ستون کے تاج، دروازوں کی چوکھٹ اور سقف بالکل ہندوانہ طرز کی ہے۔ چوں کہ مسلمان اس طرزِ تعمیر سے غیر مانوس تھے لہذا انھوں نے مسجد قوت الاسلام کی تعمیر کے دو سال بعد ہی اسلامی طرزِ تعمیر کا آغاز کر دیا۔ گو اسلامی حکومت کے انعقاد کے ساتھ ہی اسلامی طرزِ تعمیر بھی نمودار ہوا جیسا کہ مسجد کے بدنما چھجے اور ناموزوں گنبدوں کی ساخت شاہد ہے لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اسلامی طرزِ تعمیر سرعت کے ساتھ پھیلتا گیا۔ اس لئے مسجد کی نمازگاہ (Prayer chamber.) اسلامی طرز کی محرابدار مقصورہ کا اضافہ۔ التمش نے ۱۲۳۰ء میں کیا اور اسی اضافہ سے بین طور پر اسلامی انداز تعمیر جھلکنے لگا۔ لیکن ابھی ہندو طرز کی سردلوں کے نمونے، ستون اور اس کے تاج اب بھی موجود تھے۔

قطب الدین نے اجمیر میں دوسری مسجد تقریباً ۱۲۰۰ء میں تعمیر کرائی جو اڑھائی دن کا جھونپڑا یا جامع التمش کے نام سے موسوم ہے کیوں کہ اس کی تکمیل التمش نے کی تھی۔ دہلی کی مسجد سے حاصل شدہ تجربے نے بنّاؤں اور معماروں کو اس قابل بنا دیا کہ اس مسجد کی تعمیر کے لئے ایک نیا خاکہ و نقشہ مرتب کر سکیں گو کہ اس مسجد میں بھی ہندو ملبہ استعمال ہوا تاہم صفائی کے لحاظ سے پہلی مسجد سے بہتر اور خوشنما ہے۔ نتیجے کے طور پر اس کے نازک و سبک ستونوں کی لطافت موزوں تر و لطیف تر ستون نما بین الصفوف (Columned aisles.) اور چھت کی عمدہ تکمیل مسجد کی جان ہیں التمش نے اس مسجد میں رقبہ کا اضافہ کیا اور پیش عمارت (Facade.) جس سے اس کے تعمیری ذوق کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے دہلی کی مسجد قوت الاسلام کی طرح اس مسجد میں مسقف غلام گردش نہیں ہے۔ صدر محراب کے دو طرفہ دمدمہ (Parapet)

کے اوپر عمودی گہراؤ دار ستون تعمیر ہیں۔ محراب کا کٹاؤ دہلی کی مسجد کے مقابلہ میں کم ہے۔ بجز محرابوں کے التمش کی وسیع کردہ صحنی دیوار میں (screens) ہندو غلبہ بہت کم ملتا ہے قطب مینار بھی سلاطین مملوک (شاہان غلامان) کا بنوایا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسجد قوت الاسلام کے ماذنہ مینار کے ہر جزو اور فنی خصوصیت میں اسلامی فن تعمیر کی روح جھلکتی ہے۔ اس قسم کے مینار ہندوستان میں پہلے کبھی تعمیر نہ ہوئے تھے لیکن مسلمان عرصہ دراز سے اس طرز کے فن تعمیر سے مانوس و روشناس تھے چنانچہ غزنی میں اس نمونے کے مینار موجود ہیں۔ پھر اس کی ستارے نما ساخت، خوشنما کتبات۔ جھجوں کے نیچے موتی نما سنگی تودے (stalactite) کا سلسلہ مصر اور مغربی ایشیا کے فن تعمیر سے جا ملتا ہے۔ فرگسن کے بقول قطب مینار اپنی تمام خصوصیات کے اعتبار سے ایک جامع و مکمل مینار ہے جس میں اسلامی رنگ جھلکتا ہے۔ اس کی سنگ تراشی و منبت کاری اپنی مثال آپ ہے گویا بالفاظ دیگر ہندو فن کے مقابلہ میں ایک ردِ عمل شروع ہو چکا تھا جو خلجی عہد میں پہنچ کر پروان چڑھنے لگا۔

اولین مقبرہ جو دہلی میں تعمیر ہوا وہ سلطان التمش کے بیٹے ناصر الدین محمود شاہ کا ہے جو ۳۲-۱۲۳۱ء میں تعمیر ہوا اور مقبرہ سلطان غازی کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں بھی ہندو تعمیر کا غلبہ ملتا ہے، ستون اور ان کا بالائی حصہ (capitals) یہ گھنٹیں اور نقش و نگار قطعی ہندو طرز کے ہیں حتیٰ کہ محرابیں اور گنبد جو اسلامی تعمیر کی نمایاں خصوصیات ہیں وہ بھی ہندو فن تعمیر کے اصول پر ابھرے ہوئے (corbelled) طریقے پر تعمیر ہوئے ہیں۔ اس کے بعد التمش کا مقبرہ جو ۱۲۳۵ء میں تعمیر ہوا خاکہ کے اعتبار سے مربع شکل کا ہے۔ اس میں بھی اسلامی فن تعمیر محض گوشوی ڈاٹوں (squinch arches) جو گنبدی شکل کی چھت کی مددگار ہیں خط نسخ و کوفی کے عمدہ قرآنی کتبات اور مختلف اقلیدسی کمالات تک محدود ہے ورنہ اس میں ہندوستانی خصوصیات نمایاں ہیں جس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ابھی ہندی معمار۔ جو مقبرہ

کی تعمیر کے لئے مامور ہوئے تھے وہ اسلامی فنِ تعمیر جس کی مقبرہ میں ضرورت تھی اچھی طرح واقف نہ ہوئے تھے۔

دورِ خلجی ۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء ہندو غلبہ واثر کے خلاف ایک لہر دراصل التمش کے زمانہ ہی سے (۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء) پیدا ہو چلی تھی اور اس کے بعد بہت سرعت کے ساتھ بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ عہدِ خلجی میں ایک انقلابِ عظیم آگیا۔ مثال کے طور پر جو محرابیں قطب الدین ایبک اور التمش کی عمارات میں ہندو بناؤں اور معماروں نے اپنے روایتی طرز کے مطابق اُبھار کے اصول (corbel) پر بنائی تھیں وہ اب سلطان غیاث الدین بلبن کے مقبرہ میں نظر نہیں آتیں جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ فنِ تعمیر نے ایک اور ارتقائی قدم آگے بڑھایا۔

اولین مسجد حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ میں جو خالصًا اسلامی تصورات کے مطابق تعمیر ہوئی تھی کہ جو مسالہ و سامان وغیرہ عمارت مسجد کے لئے اسلامی نقطۂ نگاہ سے ضروری تھا استعمال کیا گیا۔ یہ مسجد مسجد جماعت خانہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں خلجیوں اور تغلقوں کی تعمیری خصوصیات اور ان کا فرق نمایاں نظر آتا ہے۔ مرکزی نماز گاہ (sanctuary) خضر خاں ابن علاء الدین نے بنوائی تھی۔ اور اس کے دونوں جانب کے حصے بعد میں عہد تغلق میں بڑھائے گئے۔ مؤخر الذکر کی دیواریں اُن گھڑ پتھروں کے بجائے جو خلجیوں کی عمارات کا طرۂ امتیاز ہیں خالص چونے کی استرکاری (Plastered rubble) کی بنی ہوئی ہیں مثلث نما قطعۂ گنبد (Pendentives) دونوں بغلی کمروں میں سلاطینِ تغلق کے زمانہ میں معاون گنبد کی حیثیت سے تعمیر کئے گئے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ گوشوی ڈاٹیں (squinch arches) جو خلجیوں نے درمیانی کمرہ میں بنائی تھیں اور جن کا سلاطینِ خلجیہ کے زمانہ میں بڑا رواج تھا اب عہدِ تغلق میں متروک ہو گئیں۔ علائی دروازہ جو ہندی اسلامی طرزِ تعمیر کا بیش بہا نمونہ ہے اور مسجد قوت الاسلام کا جنوبی دروازہ ہے، دراصل توازن، حسن و لطافت میں اکمل ہے۔ اس کی عالی شان، اسپی نعل نما محرابیں، بیرونی نقش و نگار، متناسب خطوط اور پھر دیدہ زیب

ریت کے سنگ سرخ و مصفا کا امتزاج عہدِ خلجی کے معماروں کے اعلیٰ ذوق کی نشان دہی کرتے
ہیں۔ سیری کی شہر پناہ میں جسے علاء الدین نے تقریباً ۱۳۰۳ء میں تعمیر کرایا تھا چند آثار باقی ہیں
جس میں چند گاؤدم بروج۔ خلادار سوراخ اور دندانے دار برج نما دیواریں ۔ (battle
ments.) نظر آتی ہیں۔ یہ طرزِ تعمیر ہمارے ذہن کو خلجیوں کے فوجی فنِ تعمیر کی طرف مبذول کر
دیتا ہے۔

عہدِ تغلق (۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۳ء) سلاطینِ تغلق کے دورِ حکومت میں ہندی اسلامی فنِ تعمیر میں پھر ایک
بار انقلاب آیا اور یہ انقلاب ترقیِ معکوس کی شکل میں نمودار ہوا۔ کچھ تو خلجیوں کے آزادانہ مصارف
کچھ تغلقوں کی اقتصادی مشکلات اور سب سے بڑھ کر اچھے معماروں کا فقدان اس ردِ عمل
کے ذمہ دار ہیں محمد تغلق (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء) کے عہد میں دہلی سے دولت آباد (دکن) جبری
نقلِ آبادی کی وجہ سے دہلی میں اچھے بنا ناپید ہو گئے تھے۔ نقش و نگار کی فراوانی اور جزئیات
کی تفصیلات جس نے عہدِ خلجی کی عمارات کو چار چاند لگائے تھے اس کی جگہ زیب و زینت سے
آزاد اور سادہ لوح عمارت نے لے لی۔ رنگی سنگ سرخ و سنگ مصفا جو اعلیٰ مذاق کا
نمونہ تھے تقریباً ان کا استعمال متروک ہو گیا اور ان کے بجائے چونہ داستر (+ Plaster
stucco) کا استعمال مروج ہو گیا۔ دیواریں بالکل سادہ اور نقش و نگار سے عاری بننے
لگیں، وسعت و رفعت جو کسی حد تک آرائش و زیبائش کے فقدان کو پورا کرتی تھیں قریب
قریب معدوم ہو گئیں۔ بنیاد میں وسیع اور بتدریج اوپر کی طرف پتلی دیواریں battered
(battlemented walls.) گوشوی محرابیں، دندانے دار دیوار سے محصور گردنیں
(necking) کلغی نما، اور چھوٹے گنبدوں کی کثرت دراصل عہدِ تغلق کی تعمیری خصوصیات
میں شمار کی جاتی ہیں لیکن ان سب کے باوجود یہ طرزِ تعمیر محاسن سے بالکل تہی داماں نہیں ہے
اس کی پائداری اور سادگی، مقصدیت، مسقف آنکھ ٹے نما محرابیں اس عہد کی ممتاز خصوصیات
ہیں۔ پھر قدیم ترین تعمیری اشکال کو اپنی موجودہ ضروریات کے مطابق ڈھالنا جس کی شہادت

کنیز الگنبد چھتوں اور گوشوں میں گاؤدم دیواروں میں ملتی ہے جو ہندی اسلامی فن تعمیر کے نمایاں خدوخال ہیں۔ اس عہد کی خاص خاص عمارات میں قلعہ تغلق آباد، مقبرۂ تغلق شاہ اول (۱۳۲۱ء تا ۱۳۲۵ء) جو (تعمیرات غیاث الدین تغلق)، قلعہ عادل آباد جو شہر تغلق آباد کا ایک خاکہ ہے، اور شہر پناہ (تعمیرات محمد بن تغلق)، کوٹلہ فیروز شاہ مع جامع مسجد، عمارات حوض خاص مع مدرسہ و مقبرہ، ناتراشیدہ پتھروں کی عظیم و مضبوط دیواریں (عمارات فیروز شاہی) شامل ہیں۔

قلعہ تغلق آباد کی مضبوط دیواریں اور قوی ہیکل بروج، اس کی پائداری اور مضبوطی سیر کنندگان کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتیں۔ حوض خاص کی دور آخر کی عمارات کافی مضبوط اور تعمیرات قلیل المدت ہیں جن میں ہندو ستون اور اسلامی محراب کا امتزاج قابل دید ہے۔ فیروز شاہ کوٹلہ میں فوجی طرز کی عمارات اور ان کی فنی خصوصیات نمایاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً ان میں روزن سازی (machi conlis) کا وجود ہندوستان میں پہلی بار نظر آیا۔ دوسری فنی نقطۂ نگاہ سے قابل توجہ یادگار عمارت خان جہاں تلنگانی (وزیر اعظم فیروز شاہ متوفی ۱۳۶۸ء) کا مقبرہ ہے۔ یہ بستی نظام الدین کے نزدیک کالی یا سنجر مسجد کے قریب واقع ہے۔ عمومی شکل و صورت میں یہ قبۃ الصخرا یروشلم سے مشابہ ہے۔ اس دور کے دوسرے مقبروں کے برعکس اس کا حجرہ مدفن (mortuary-cham) مربع ہونے کے بجائے مثمن ہے جو ایک گنبد سے مسقف اور محرابی دالان سے محصور ہے۔ اس کی اہمیت اس امر سے واضح ہو جاتی ہے کہ پندرھویں اور سولھویں صدی کے سید و افغان سلاطین نے اپنے مقبروں میں اسے ایک نمونہ کے طور پر استعمال کیا۔

سلاطین سید ۱۴۱۴ء تا ۱۴۴۴ء | عہد تغلق ہی میں ہندو مسلم صناعوں اور معماروں کے اصولوں میں ایک نمایاں فرق آچلا تھا حتیٰ کہ سلاطین سید و لودیہ کی عمارات میں زیب و زینت ایک بار پھر طرۂ امتیاز بن گئے۔ اس کے باوجود بھی وہ سادہ لوحی اور درشتگی جو سلاطین تغلق کے زمانہ

میں پیدا ہو گئی تھی پورے طور پر معدوم نہ ہو سکی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دہلی میں خان جہاں تلنگانی کے مقبرہ نے پندرھویں اور سولھویں صدی کے شاہی مقابر کے لئے ایک مثالی نمونہ پیش کیا لیکن سید فرمانرواؤں میں مبارک شاہ (۱۴۲۱-۳۴ء) اور محمد شاہ (۱۴۳۴-۴۴ء) کے مقبروں میں زیادہ دلکشی ورعنائی ملتی ہے۔ مؤخر الذکر مقبروں کے مرکزی گنبد مقبرۂ خان جہاں کے گنبد سے زیادہ رفیع وعالی نظر آتا ہے، مبارک شاہ اور محمد شاہ کے مقبروں میں کثیر الاضلاعی ڈھولنے کے زاویوں پر تعمیر شدہ کلس ملتے ہیں۔ تلنگانی کے مقبرہ میں دالان کی رفعت غیر مناسب و ناموزوں اور پست دکھائی دیتی ہے لیکن اول الذکر مقبروں میں یہ کمی بھی پوری کر دی گئی، مقبرۂ تلنگانی کے پست گنبدوں کے بجائے سبک ستون دار کشوک تعمیر کئے گئے۔ سید طرزِ تعمیر کی دیگر اہم خصوصیات میں منقش تختیاں، پرچین کاری، کنول نما کلس اور دوہری ہندو و نیم ہند و خصوصیات ملتی ہیں جو آگے چل کر سلاطین لودیہ کے عہد میں ترقی کرتے کرتے اور زیادہ حسین اور جاذب نظر بن گئیں۔

سلاطین لودی (۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء) سکندر شاہ لودی کا مقبرہ جو غالباً ۱۵۱۷-۱۸ء میں تعمیر ہوا تھا جو زنگارنگ کی منقش و منبت تختیوں سے مزین و آراستہ ہے۔ اہم ترین فنی خصوصیت اس کے گنبدوں کی دوہری ساخت ہے جسے بعد میں مغلوں نے اپنا کر اپنی عمارات میں ایک ارتقائی کڑی کی حیثیت سے استعمال کیا۔ یہ نئی ایجاد جس کا ماخذ غالباً ملک شام ہے اور جہاں سے عراق و ایران کے راستہ سے ہو کر ہندوستان میں داخل ہوئی جسے شاہانِ مغلیہ نے تعمیرات میں توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے رواج دیا۔ پہلی بار شہاب الدین تاج خاں کے مقبرہ میں اس کا استعمال ہوا جو ۱۵۰۱ء میں تعمیر ہوا تھا مقامی طور پر "باغ عالم کا گنبد" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے چند ہی سال بعد سلطان سکندر لودی کے مقبرہ میں طرزِ گنبد نظر آتی ہے جسے اپنی وسعت اور نیم آراستہ احاطہ کی وجہ سے بجا طور پر عہدِ تغلق کے سادہ اور کھردرے مقبروں اور مغلوں کے متوازن و متناسب باغات کے درمیان سلسلہ کی ایک کڑی شمار کیا جا سکتا ہے۔ سلاطینِ لودیہ کے طرزِ تعمیر کا بہترین نمونہ میاں بوہیا سلطان سکندر شاہ کے وزیر اعظم (۱۴۹۵ء تا ۱۵۱۷ء) کی تعمیر کردہ "موٹھ کی مسجد" ہے۔ یہ اس عہد کی بدیع ترین مسجد ہے۔ اس کے عقبی گوشوں پر کئی منزلہ مینارے یقینی طور پر دوسرے مقامات کے نازک و سبک میناروں کے مقابلہ میں زیادہ موزوں ہیں۔ اس کے گنبدوں کی کرسی کی موزونیت، محرابی ... دروازوں کا تناسب اور سنگ مرمر، رنگین تختیوں اور سنگ احمر کا امتزاج و استعمال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔